محمد حمزہ فاروقی☆

کلام اقبال میں رجائیت اور مستقبل شناسی کا عنصر

The element of optimism and futurism in Kalam-e-Iqbal

Abstract:

In the early years of the twentieth century, the world of Islam was going through a turbulent period. Most of the Muslim countries have become slaves to the colonial powers of Europe.Muslims were not only economically and politically defeated by Western countries but had also accepted the supremacy of the West on an intellectual level. This state of defeat was even worse than political slavery. In these circumstances, Iqbal predicted the renaissance of Muslims and the decline of Western colonialism. Iqbal was studying at Cambridge University at the time and wrote a poem in 1907 that was published in the monthly "MAKHZAN" and later included in "BANG-E-DARA." This period was the height of the British Empire and the end of despair for the Muslims of India. Most of the Muslim thinkers and reformers did not have the hope that the world of Islam would stand on its own two feet again and find a dignified place among the nations of the world. Hali was lamenting the loss of Muslim greatness in "Masdus Madujzar Islam" and the concept of Muslim renaissance was not in his mind. In this paper, the element of futurism in Kalam-e-Iqbal has been highlighted.

Keywords: Iqbal's poetry, optimism and futurism, Bang-e-Dara, Makhzan

بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں عالمِ اسلام پُر آشوب دور سے گزر رہا تھا۔ بیشتر مسلم ممالک یورپ کی استعماری قوتوں کے غلام بن چکے تھے۔ مسلمان نہ صرف اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مغربی ممالک سے شکست خوردہ تھے بلکہ فکری سطح پر مغرب کی بالادستی قبول کر چکے تھے۔ شکست خوردگی کی یہ کیفیت سیاسی غلامی سے بھی شدید تر تھی۔ ان حالات میں اقبال نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور مغربی استعمار کے زوال کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ اقبال اس وقت کیمبرج یونی ورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے اور انہوں نے ۱۹۰۷ء میں ایک نظم کہی تھی جو ماہ نامہ "مخزن" میں چھپی تھی اور بعد میں "بانگ درا" میں شامل کی گئی تھی۔ یہ زمانہ سلطنتِ برطانیہ پر عروج اور مسلمانانِ ہند کی یاس و نومیدی کی انتہا تھا۔ بیشتر مسلم مفکرین اور مصلحین کو یہ اُمید نہ تھی کہ عالمِ اسلام دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گا اور اقوامِ عالم میں باوقار مقام پائے گا۔ حالی مسدس "مدوجزرِ اسلام" میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے نوحہ خواں تھے اور مسلم نشاۃ ثانیہ کا تصور ان کے ذہن میں نہ تھا۔ اقبال کی مندرجہ ذیل نظم ان کی روشن ضمیری اور خدا داد بصیرت کا مظہر تھی۔ اقبال مسلمانوں کے روشن مستقبل کی نہ صرف نوید سنا رہے تھے بلکہ زوالِ مغرب کی پیش گوئی فرما رہے تھے۔ انہوں نے اس نظم کے ابتدائی اشعار میں فرمایا:

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا

سنادیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہو گا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

دورِ اول کے مسلمانوں نے خلافت راشدہ کے زمانے میں فارس کی ساسانی سلطنت اور بازنطینی لشکروں کو شکست دی تھی لیکن اقبال نے اپنے اشعار میں "روما کی سلطنت" کا تختہ الٹنے کا تذکرہ کیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مغرب کی استعماری ریاستیں بازنطینیوں کی تہذیبی اور مذہبی وراثت کی دعوے دار تھیں اس لیے اقبال نے بطور خاص بازنطینی سلطنت کا ذکر کیا تھا۔ تمہیدی اشعار کے بعد اقبال نے مغربی تہذیب کے زوال کی پیش گوئی کی تھی۔

دیارِ مغرب میں رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا(۱)

اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے ۲۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لندن پہنچے تھے۔ کانفرنس کی کارروائی سے فرصت ملی تو انہیں کیمبرج یونی ورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ نے لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا تھا۔ چناں چہ اقبال ۱۸ نومبر ۱۹۳۱ء کو کیمبرج پہنچے۔ یونی ورسٹی طلبہ اور اساتذہ نے اقبال کے اعزاز میں یونی ورسٹی آرمز ہوٹل میں شام کے پونے پانچ بجے چائے پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ آپ نے اس تقریب میں فرمایا:۔

"میں نے آج سے پچیس برس پیشتر اس (مغربی) تہذیب کی خرابیاں دیکھی تھیں تو اس کے انجام کے متعلق بعض پیش گوئیاں کی تھیں۔ میری زبان پر وہ پیش گوئیاں جاری ہو گئیں، اگرچہ میں خود بھی ان کا مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ یہ ۱۹۰۸ء کی بات ہے۔ اس کے چھ سال بعد یعنی ۱۹۱۴ء میں میری یہ پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو گئیں۔ ۱۹۱۴ء کی جنگِ یورپ دراصل اہلِ یورپ کی اس غلطی کا نتیجہ تھی جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ یعنی مذہب و حکومت کی علیٰحدگی اور دہریانہ مادیت کا ظہور۔ بالیشوزم مذہب و حکومت کی علیٰحدگی کا ایک طبعی نتیجہ ہے۔"(۲)

بیسویں صدی کا دوسرا عشرہ مسلمانوں کی بربادی اور مصائب کا مزید ساز و سامان لایا۔ سلطنتِ عثمانیہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر حملہ کر دیا۔ یہ سلسلہ حوادث کا آغاز تھا۔ کرگسانِ یورپ موقع کی تلاش میں تھے، سلطنت عثمانیہ کی کمزوری بھانپتے ہوئے بلقانی ریاستیں ۱۹۱۲ء میں عثمانیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ خلافتِ عثمانیہ مسلم اُمت کی وحدت اور عظمت رفتہ کا نشان تھی۔ اس کا زوال پذیر اور شکست آشنا ہونا تمام عالم اسلام پر اثر انداز ہوا۔ یورپ کی استعماری طاقتیں برطانیہ اور فرانس ریاست ہائے بلقان کی سیاسی معاونت اور اسلحہ فراہمی کا ذریعہ تھیں۔ اس دورِ پُر آشوب میں اقبال امید کی کرن بن کر ابھرے۔ ان کی رجائیت کا سرچشمہ قرآنی تعلیمات اور سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ تھا۔ اقبال نے "جواب شکوہ" میں مقامِ مصطفےٰ ﷺ کی عظمت و کامرانی کی پیش گوئی کی تھی:۔

چشمِ اقوام پہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ 'رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک' دیکھے

فروری ۱۹۱۲ء میں اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں "شمع و شاعر" پڑھی اور مسلمانانِ ہند کو روشن مستقبل کی جھلک دکھائی اور مردہ دلوں میں اُمید کی جوت جگائی۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار

نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہوجائے گی
دیکھ لو گے سطوتِ رفتار دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہوجائے گی
نالہ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگین قبا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہء توحید سے (۳)

اقبال نے اس نظم میں مسلمانوں کو نہ صرف ان کا قابلِ فخر ماضی یاد دلایا بلکہ یہ احساس دلایا کہ قرآنی تعلیمات اور اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر وہ دنیا کی امامت دوبارہ حاصل کر سکتے تھے۔ روحانیت پر مبنی نظام نوعِ انسانی کے لیے امن و سلامتی کا موجب اور خیر و برکت کا منبع ہو گا۔ یاس و نومیدی کے بادل چھٹ جائیں گے۔ یہ نظام حد درجہ نشاط آفریں اور پر بہار ہو گا۔

تیسرے اور چوتھے شعر میں اقبال نے عالم گیر جنگ کی پیش گوئی کی تھی۔ مغربی تہذیب اپنے ظاہری مفادات اور استعماری قوتوں کے متناقص عزائم کی بنا پر آپس میں متصادم ہوں گی۔ عالم گیر تباہی کے بعد دنیا کا نقشہ بدلے گا اور زیر دست اقوام کی نجات کی راہ ہموار ہو گی۔ اس معرکے کے بعد اسلام کی حقانیت نکھر کر سامنے آئے گی اور دنیا "نغمہ توحید" سے معمور ہو گی۔ اقبال نے "خضرِ راہ" میں جو پہلی جنگ عظیم کے بعد منظرِ عام پر آئی" شمع و شاعر" کی پیش گوئی کا حوالہ دیا تھا اور اس کی صداقت کو ظاہر کیا تھا۔

تو نے دیکھا سطوتِ رفتار دریا کا عروج
موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حیرت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ (۴)

پہلی جنگ عظیم کے بعد عالمِ اسلام میں جو تبدیلیاں آئیں ان کے متعلق "خضرِ راہ" میں اشارے ملے تھے۔ مثبت تغیرات یہ تھے کہ ۱۹۱۹ء میں معرکہ ٹل کے بعد افغانستان کو ایک آزاد و خود مختار ملک تسلیم کر لیا گیا۔ ایران نے زوال پذیر قاچاری بادشاہیت سے نجات پائی اور رضا شاہ پہلوی کی قیادت میں ملک جدید اصلاحات سے روشن ہوا۔ ایرانی قوم نے حیاتِ نو پائی۔ تُرکانِ احرار نے اپنے وطن کا دفاع کیا اور ترکی کو حصے بخرے ہونے سے بچا لیا۔ ہندوستان میں ترکی خلافت کو بچانے کے لیے تحریک عدم تعاون اور تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ ان تحریکات سے برطانوی راج کی گرفت کمزور ہوئی اور منزل آزادی نزدیک تر آئی۔

اقبال نے درج ذیل اشعار میں جنگِ عظیم کے دوران میں عالم اسلام کو پہنچنے والے نقصانات کا جائزہ لیا تھا۔مکہ کے شریف حسین نے دورانِ جنگ ترکوں سے غداری کی اور لارنس آف عریبا کے ساتھ مل کر ترکوں کی سپلائی لائن کاٹ دی اور برطانوی امداد سے مشرق وسطیٰ میں ترکوں کی شکست کا ذریعہ بنے۔اقبال نے فرمایا تھا۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ ﷺ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش
آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے (۵)

ہاشمی سے مراد شریف مکہ حسین اور اس کی ذریات تھیں۔دوسرا شعر الہامی نوعیت کا تھا۔اس میں "اولاد ابراہیم" سے مراد عرب مسلمان تھے اور "نمرود" کی نمائندگی برطانیہ اور فرانس کی طاغوتی ریاستیں تھیں، جن پر باہمی گٹھ جوڑ اور سائکس پیکو معاہدے کا تحت عرب دنیا پر قابض ہونے کا منصوبہ بنایا گیا اور فلسطین کو برطانوی ہاتھوں میں دے کر مئی ۱۹۴۸ء میں قیام اسرائیل کی راہ ہموار کی گئی۔

اقبال جنگ عظیم کی تباہ کاری اور جغرافیائی تبدیلیوں سے مایوس نہ تھے۔انہوں نے عالم یاس و درماندگی میں امید کی کرن دکھائی اور حوصلہ مندی سے باطل کا مقابلہ کرنے کی راہ سُجھائی۔

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک (۶)

اقبال نے عراق، شام اور فلسطین پر "تثلیث کے فرزند" (برطانیہ اور فرانس) کے قبضے اور شریف حسین کی غداری اور بغاوت پر نتیجے میں عثمانیوں کی شکست کا درج ذیل اشعار میں ذکر کیا تھا۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز
ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز (۷)

عرب بغاوت کا آغاز سرزمین حجاز سے ہوا تھا۔اتحادی قوتوں نے عربوں کو مختلف قومیتوں میں تقسیم کیا تھا اور نسلی بنیاد پر عرب و عجم کے اختلافات کو ہوا دی تھی۔عربوں کو ترکوں سے آزادی اور عرب خلافت کے قیام کا جھانسہ دیا تھا۔"کلاہِ لالہ رنگ" سے اقبال کی مراد سرخ ترکی ٹوپی تھی جو عثمانیوں کے دورِ آخر میں ترک اشرافیہ اور عمائدین سلطنت کے لباس کا جزو تھی۔

جنگ عظیم کے بعد شکست خوردگی اور انتشار سے نجات پانے کے لیے اقبال نے حصارِ دین میں پناہ لینے، فتنہ قومیت سے نجات پانے اور دنیائے اسلام کے متحد ہونے پر زور دیا تھا۔

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر (۸)

"خضرِ راہ" کے آخر میں اقبال نے دوسری جنگِ عظیم کے امکان کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ اتحادیوں نے معاہدہ ورسائی کے ذریعہ پہلی جنگ عظیم کے بعد شکست خوردہ جرمنی پر جو تاوانِ جنگ عائد کیا تھا اور جرمنی کے اہم ترین صنعتی علاقے سار اور آلسیس لورین، فرانس کے حوالے کیے تھے، اقبال کے نزدیک یہ ناانصافی اور جرمنوں کے خلاف انتقامی جذبات دوسری جنگ عظیم کی بنیاد رکھنے والے تھے۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ (۹)

"طلوعِ اسلام" میں اقبال نے جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد تُرکانِ احرار کی جدوجہد آزادی کا ذکر کیا اور خلافت اسلامیہ کے زوال کے بعد ترکی کے احیائے نو کی نوید سنائی۔ مصطفےٰ کمال کی قیادت میں ترک فوج نے جنگِ آزادی کی جنگ لڑی۔ سقاریہ کے میدانِ جنگ میں یونانیوں کو شکست دے کر اناطولیہ کے چھینے ہوئے علاقے واپس لیے اور یورپ کے "مرد بیمار" کو حیاتِ نو بخشی۔ اقبال نے "جوانانِ تتاری" کا موازنہ "پیرِ حرم" شریف حسین سے کیا۔ تُرکانِ احرار نے خون کا نذرانہ دے کر ترکی کو اغیار کی گرفت سے نکالا اور حسین اور اس کی اولاد نے عثمانیوں سے غداری کر کے برطانیہ اور فرانس کو عراق، سوریا، لبنان اور فلسطین پر قابض ہونے کا موقع فراہم کیا تھا:۔

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر پائندہ تر، تابندہ تر نکلے (۱۰)

"پیام مشرق" کا پہلا ایڈیشن اقبال نے مئی ۱۹۲۳ء میں کریمی پریس لاہور سے چھپوایا تھا۔ اس کے کاتب عبد المجید خوش نویس تھے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۲۴ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے کاتب بھی عبد المجید تھے۔ اس ایڈیشن میں اقبال نے چند غزلوں اور نظموں کا اضافہ کیا تھا۔

"پیام مشرق" کی ایک نظم "سرودِ انجم" میں ستارہ آسمان کی رفعت سے زمین پر برپا ہونے والے انقلاب کا مشاہدہ کرتا تھا اور کسی قسم کی لاگ لپٹ کے بغیر غیر جذباتی انداز سے ان حوادث پر تبصرہ کرتا تھا۔ یہ نظم پہلی جنگ عظیم کے دوران میں جغرافیائی وسیاسی تغیرات اور انقلابِ روس کے پس منظر میں کہی گئی تھی۔ جنگ عظیم نے صدیوں سے قائم چار بادشاہوں کا خاتمہ کیا تھا۔ سلطنت عثمانیہ اور آسٹرو، ہنگیرین ایمپیائر کے خاتمے کے بعد جغرافیائی حدود تبدیل ہوئیں اور یورپ اور ایشیا کے کئی ممالک دنیا کے نقشے پر ابھرے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہندیورپی آریائی زبانوں میں سیزر، زار، قیصر اور کسریٰ کے الفاظ ہم معنی اور بادشاہت کے مترادف تھے۔ اقبال نے "سرودِ انجم" میں "زاری و قیصری" کا حوالہ تاریخی بنیاد پر دیا تھا۔ اس سے ان کی مراد زارِ روس نکولس دوم اور جرمنی کے قیصر ولیم ثانی کی سلطنتیں تھیں۔ جنگ عظیم ان دونوں کے خاتمے کا موجب بنی۔ اس نظم میں خواجہ کی سروری اور بندے کی چاکری سے نجات کی نوید تھی۔ یہ واضح طور پر ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کی جانب اشارہ تھا۔ "دورِ سکندری" کے خاتمے کا اعلان استعماری قوتوں کا زوال اور مظلوم و مجبور اقوام پر جبریہ قبضے اور محکوم بنانے کی روایت کا اختتام تھا۔ اس تناظر میں "سرودِ انجم" کے درج ذیل بند کا مطالعہ کیجیے:۔

خواجہ ز سروری گزشت   بندہ ز چاکری گزشت
زاری و قیصری گزشت   دورِ سکندری گزشت
شیوۂ بت گری گزشت می نگریم و می رویم (۱۱)

جنگ عظیم کے اختتام پر فتح یاب ممالک نے دنیا میں پائیدار امن قائم کرنے کے لیے جنیوا میں جمعیت الاقوام کی بنیاد رکھی لیکن ان ممالک کی بدنیتی معاہدہ ور سائی نے ثابت کر دی تھی۔ یہ ادارہ کمزور اقوام کو مستعمرین کے ظلم و جبر سے نہ تو نجات دلا سکا اور نہ ہی مقبوضہ ممالک کو آزادی دلا سکا۔ اقبال نے فاتح ممالک کے مذموم عزائم دیکھتے ہوئے اس ادارے کو کفن چوروں کی انجمن قرار دیا تھا۔

برفتد تا روشِ رزم دریں بزمِ کہن
دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند (۱۲)

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اقبال نے اقوام مشرق کو مشورہ دیا کہ وہ فرنگ کے استعماری عزائم کا مقابلہ کرنے اور امن عالم اور انصاف قائم کرنے کے لیے متحد ہو جائیں اور تہران کی مرکزیت کے پیشِ نظر اسے "عالم مشرق کا جنیوا" بنائیں۔ اقبال نے "ضربِ کلیم" کی ایک نظم "جمعیتِ اقوام مشرق" میں فرمایا تھا۔

دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب

ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے (۱۳)

اقبال مغرب سے درآمد کردہ تصور قومیت کے مخالف تھے کیوں کہ یہ اسلامی تصورات سے متصادم تھا اور انسانیت کو نسل اور وطن کی بنیاد پر منقسم اور رزم آرا کرنا چاہتا تھا۔ اسلام تو شعوب اور قبائل کو نظریاتی بنیاد پر متحد کرنا چاہتا تھا۔ یورپی اقوام صدیوں سے وطنیت کے بت کی پوجا کر رہی تھیں اور انسانوں کا خون بہا رہی تھیں۔ اقبال نے "ضرب کلیم" کی ایک نظم میں فرمایا:

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم (۱۴)

"ضرب کلیم" اگست ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی تھی اور جمعیت اقوام ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑتے ہی فنا کی گھاٹ اتر گئی۔ یہ ادارہ تمام تر کوشش کے باوجود معرکہ کبریٰ کو روکنے میں ناکام رہا تھا۔ اقبال نے "خضرِ راہ" میں دوسری جنگ عظیم کے امکان کے بارے میں فرمایا تھا۔

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائیِ تدبیر دیکھ

"ضرب کلیم" میں اقبال نے جمعیت اقوام کی بدانجامی کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی۔

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے لیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے (۱۵)

"بال جبریل" اکتوبر ۱۹۳۴ء میں چھپی تھی۔ اقبال نے ایک نظم میں مغربی تہذیب کی بد انجامی کے متعلق خبر دار کیا تھا۔ اس تہذیب کی اساس بے خدا مدنیت پر قائم تھی۔ فلسفہ اور سائنس کی ترقی کے باوجود مغربی تہذیب کے تضادات اسے بربادی کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس تباہی کے باوجود اقبال پُر امید تھے کہ اس تہذیب کے خاکستر سے جہانِ نو پیدا ہو گا۔

وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اس کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مُقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ (۱۶)

"زبور عجم" ۱۹۲۷ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کی ایک نظم میں اقبال نے "جوانانِ عجم" کو دعوت انقلاب دی اور زبوں حالی سے نکل کر ترقی و فلاح کی راہ دکھائی۔ انہیں خود احتسابی کی دعوت دی۔ اقبال "فکرِ رنگین" سے "تہی دستانِ شرق" کو بیدار کرنا چاہتے تھے اور غلام ہندوستان کے "روزنِ زنداں" سے جوانانِ عجم کی بدلتی تقدیر اور غلامی کی زنجیریں ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

چون چراغ لالہ سوزم در خیابانِ شما
اے جوانانِ من و جان شما
غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تابدست آوردہ ام افکار پنہان شما
فکر رنگینم کند نذر تہی دستان شرق
پارہ لعلے کہ دارم از بدخشان شما
می رسد مردے کہ زنجیر غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزن زندان شما (۱۷)

ایک اور نظم میں اقبال نے تہذیب مغرب کی ظاہری چمک دمک لیکن باطن میں چھپی ہوئی "چنگیزی" کو آشکار کیا تھا۔ فرق یہ تھا کہ تیرھویں صدی میں عالم اسلام کو نیم وحشی قبائل کی سفاکی وبربریت کا سامنا کرنا پڑا جبکہ دور جدید میں ان کا مغربی تہذیب سے مقابلہ تھا جو سائنسی ایجادات اور دیگر علوم میں عالم اسلام سے کہیں آگے تھی۔ "شیرینی وپرویزیِ افرنگ" سے اقبال نے داستان شیریں و فرہاد کی جانب اشارہ کیا تھا۔ زمانی فرق کے باوجود حیلہ ہائے پرویزی برقرار تھے اور کوہ کن اپنی محنت کے ثمر سے محروم تھا۔ مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار اسلامی تعلیمات کی جانب رجوع کر کے حاصل کر سکتے تھے اور مغربی تہذیب کا غلبہ جو عالم اسلام کی ویرانی کا سبب بن رہا تھا اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ صدیوں سے طاری جمود سے نجات حاصل کریں اور اپنی خودی کو بیدار کریں۔

فریاد ز افرنگ و دل آویزی افرنگ

فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز (۱۸)

"بال جبریل" کی ایک غزل میں دو اشعار برصغیر کے ماضی اور مستقبل کی خبر دے رہے تھے۔

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سُوئے کوفہ و بغداد
رِشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہَمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد (۱۹)

کوفہ و بغداد مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا مظاہر تھے۔ کوفہ خلفائے راشدہ کے دور میں آباد ہوا تھا اور بغداد نے عباسیوں کے دورِ عروج میں تہذیبی، سیاسی اور علمی مرکزیت حاصل کی تھی۔ دونوں شہروں کی عظمت بیسویں صدی کے آغاز میں قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ اقبال نے درخشاں ماضی کی نوحہ خوانی کی بجائے "اہل نظر" سے تازہ بستیاں آباد کرنے کی امید باندھی تھی۔ اسی جذبے کے تحت اقبال نے شمال مغربی ہند میں مسلم ریاست کے قیام کی بشارت دسمبر ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں دی تھی۔

غزل کے دوسرے شعر کا تعلق اچھوتوں سے تھا۔ ہندو مذہب کی اساس ذات پات کے نظام سے وابستہ تھی۔ اس نظام میں برہمن مذہب اور سماج کی رو سے اعلیٰ ترین حیثیت رکھتے تھے۔ پنڈت اگر نسلی بنیاد پر مقام بلند پر فائز تھے تو اچھوت پیدائشی طور پر مذہبی اور سماجی اعتبار سے اسفل ترین درجے پر تھے۔ وہ صدیوں سے اونچی ذات کے ہندوؤں کے مظالم اور ذلت آمیز سلوک سہہ رہے تھے۔ اچھوتوں کے رہنما ڈاکٹر بی آر امبید کر نے اچھوت برادری کی سیاسی حیثیت کا استحکام اور ہندو معاشرے میں سماجی طور پر باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے ان تھک محنت کی تھی۔ ان کی جدوجہد کے صلے میں برطانوی وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ نے ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء کمیونل ایوارڈ کے ذریعے مسلمانوں اور سکھوں کے ساتھ اچھوتوں کی بھی جداگانہ حق نیابت دیا تھا۔

مہاتما گاندھی اچھوتوں کو ہندوؤں کا ناقابل تقسیم جزو تصور کرتے تھے اور ان کا جداگانہ حق نیابت کے شدید مخالف تھے وہ ان دنوں پونا میں نظر بند تھے۔ انہوں نے یہ فیصلہ سنتے ہی مرن برت رکھ لیا۔ گاندھی جی سیاسی مطالبات منوانے کا حربہ استعمال کرتے تھے۔ مرن برت طوالت اختیار کر گیا۔ ڈاکٹر امبید کر پر ہندو جاتی کا بے پناہ دباؤ تھا کہ وہ جداگانہ حق نیابت سے دست بردار ہو جائیں اور "باپو" کی زندگی بچالیں، حالانکہ گاندھی جی "برضا و رغبت" "مرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوئے۔ ڈاکٹر امبید کر ہندو جاتی کا دباؤ اور گاندھی جی کی "متوقع موت" کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء کو پونا میں گاندھی جی سے ملے۔ اسمبلیوں میں اچھوتوں کے لیے زائد نشستوں اور سیاسی و سماجی کے "وعدۂ فردا" کے عوض جداگانہ حقِ انتخاب سے دست بردار ہو گئے۔

۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ڈاکٹر امبید کرنے برطانوی وزیر اعظم کو تازہ معاہدے سے آگاہ کیا اور اس عہد وپیمان کی رو سے اچھوتوں کے لیے جداگانہ حق نیابت کی تنسیخ عمل میں آئی۔(۲۰) اقبال نے مندرجہ بالا شعر میں گاندھی جی کو "رشی" قرار دیا تھا، جن کی فاقہ کشی سے "برہمن کا طلسم" ختم نہ کیا جاسکا۔

اقبال نے بیسویں صدی کے اچھوتوں کی حالت زار کا موازنہ فرعونی دور کے بنو اسرائیل سے کیا تھا۔ بنو اسرائیل فرعون کے پنجۂ ستم میں گرفتار اور زبوں حالی کا شکار تھے لیکن حضرت موسیٰؑ نے اعانت خداوندی سے فرعون اور اس کے عمائدین کو شکست آشنا کیا اور عصائے موسوی کے معجزے کو بنو اسرائیل کی نجات اور لشکر فرعون کی دریائے نیل میں غرقابی کا ذریعہ بنایا۔

اقبال کا تازہ بستیاں آباد کرنے کا عزم ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں ظاہر ہوا۔ اقبال سندھ کی بمبئی پریزی ڈینسی سے علیٰحدگی کے متعلق فرمایا تھا:۔

> "سندھ کی پشت ہند کی جانب اور چہرہ وسطِ ایشیا کی طرف ہے۔ مزید یہ کہ اس کے زرعی مسائل جن سے حکومت بمبئی کو کوئی ہمدردی نہیں اور لامحدود تجارتی امکانات کے پیش نظر کراچی ترقی پاکر ہند کا دوسرا دارالحکومت بن جائے گا، میں اسے غیر مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے ایک ایسی پریزیڈنسی سے وابستہ رکھا جائے جس کا رویہ آج تو دوستانہ ہے لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا رویہ مخاصمانہ ہونے کا امکان ہے"(۲۱)

اس خطبے میں اقبال نے شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی الگ مملکت کا قیام کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا۔

> "میں پنجاب، شمال مغربی صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست میں ضم ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ خود اختیاری حکومت یا تو سلطنت برطانیہ کے اندر ہو یا سلطنت برطانیہ کی حدود سے باہر ہو، شمالی مغربی ہند میں مسلمانوں کی متحدہ ریاست مجھے کم از کم شمالی مغربی ہند میں مسلمانوں کی آخری منزل نظر آتی ہے۔"(۲۲)

کلام اقبال کی پیش گوئیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول الذکر پیش گوئیوں کا تعلق بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں سے تھا جب ملت اسلامیہ شکست وریخت کی منازل طے کر رہی تھی۔ اس کے بعد پہلی جنگ عظیم اور اس کے مابعد سیاسی وجغرافیائی تغیرات اقبال کی پیش بینی کا موضوع بنے۔ پیش گوئیوں کا دوسرا دور بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے شروع ہوتا تھا۔ اس وقت سامراجی قوتوں کے عزائم پختہ طور پر مشکل ہو رہے تھے اور یورپی قوتوں کی آویزش بھی اپنے عروج پر تھی۔ یورپی ممالک کا آپس کے نزاعات اور ہوسِ جوع الارض دوسری جنگِ عظیم کی صورت میں نازل ہونے والی تھی۔ انسانی المیے کو روکنے میں جمیعت الاقوام اور برطانیہ و فرانس کی تدابیر کلیتاً ناکام رہیں۔ اقبال نے

بھانپ لیا تھا کہ متوقع عالمی جنگ میں استعمار اس قدر کمزور ہو جائے گا کہ مقبوضاعات پر ان کا قابض رہنا اور ظلم و جبر کا کاروبار جاری رکھنا ممکن نہ رہے گا۔ اس جنگ کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کی بربادی اور اشتراکیت کا ابھرنے کا امکان تھا۔ اقبال نے "ساقی نامہ" میں فرمایا:۔

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے، ساز بدلے گئے
ہُوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پُرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں مِیر و سُلطاں سے بیزار ہے
گیا دَورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دِکھا کر مداری گیا
گراں خواب چِینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے(۲۳)

"مسجد قرطبہ" اقبال کی شاہ کار نظم تھی، اس کے ایک بند میں شاعر نے ان عوامل کا جائزہ لیا جو تہذیب مغرب کو قرون مظلمہ سے نشاۃ ثانیہ کی طرف لائی۔ اس میں پہلا قدم مارٹن لوتھر کی تحریکِ اصلاحِ دین تھی۔ مارٹن لوتھر نے پاپائے روم کے دینوی اور دنیاوی اقتدار کے خلاف اعلان بغاوت کیا اور سولھویں صدی میں پروٹسٹنٹ فرقے کی بنیاد رکھی۔ یورپ میں پوپ کے دنیاوی اقتدار کے خاتمے کے بعد قومی ریاستیں وجود میں آئیں۔ اسی دور میں طباعتی مشین کی ایجاد سے کتابوں کی طباعت واشاعت میں اضافہ ہوا اور علم و فکر کی دنیا میں انقلاب برپا ہوا۔

اٹھارویں صدی میں انقلاب فرانس نے ملوکیت اور جاگیردارانہ اشرافیہ کے تسلط کو کمزور کیا اور زیر دست عوام کو آزادی کی راہ سجھائی۔ روسو اور والٹیر کی تحریروں نے یورپ میں فکری اور سیاسی انقلاب کی راہ ہموار کی۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جرمن اور اطالوی ریاستیں متحد ہوئیں اور جرمنی اور اطالیہ کی ریاستیں یورپ کے نقشے پر ابھریں۔ اس تناظر میں "مسجد قرطبہ" کا درج ذیل بند ملاحظہ کیجیے۔

دیکھ چُکا المنی شورشِ اصلاحِ دین
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کُہن کے نشاں
حرفِ غلط بن گئی عِصمتِ پیرِ کُنِشت
اور ہُوئی فکر کی کشتیِ نازک رواں
چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب

جس سے دِگرگُوں ہُوا مغربیوں کا جہاں

مِلّتِ رومی نژاد کُہنہ پرستی سے پیر
لذّتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں(۲۴)

اقبال نے تاریخ یورپ کے انقلاب آفرین واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امتِ مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ صدیوں سے طاری جمود کو ترک کرے۔ ابتدائی دور کے خالص اسلام کو اپنی زندگیوں میں داخل کرے اور اسلامی روح سے آشنائی پیدا کرے۔

اقبال جدید فلسفہ، یورپی اور مسلم تاریخ سے براہ راست واقفیت رکھتے تھے اور قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی سے بخوبی واقف تھے اس لیے ان کا یہاں مغربی تہذیب سائنس اور دیگر جدید علوم سے وہ مرعوبیت نہ بھی جو ان کے پیش رو سر سید احمد خاں کی تصانیف میں پائی جاتی تھیں۔ اقبال نے "مسجد قرطبہ" میں فرمایا تھا۔

عالمِ نَو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحَر بے حجاب
جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
رُوحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب
صُورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب(۲۵)

پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں آزادی کے حصول کے لیے کئی تحریکیں ابھریں ان میں تحریک خلافت اور بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحاریک قابل ذکر تھیں۔ یہ تحریکیں برصغیر کو منزل آزادی تک نہ پہنچا سکیں لیکن ان کی بنا پر ہندوستان میں برطانوی راج کی گرفت کمزور ہوئی اور برطانوی حکام ہند کے باسیوں کو سیاسی مراعات اور نظام حکومت میں شامل کرنے پر مجبور ہوئے۔

کانگریس کی تحریکات نے انگریز حکام کو یہ باور کرا دیا کہ ہندوستان میں برطانوی راج کے دن گنے جا چکے۔ اس کے بعد انگریزوں نے آزادی کے بعد ہندوستان کی مسند اقتدار پر اپنے مہروں کو مسلط کرنے کی منصوبہ بندی کی تا کہ متوقع آزادی کے بعد سابق آقاؤں کے مفادات کا تحفظ کیا جا سکے۔ انگریز شاطروں نے جن مہروں کو ملکی قیادت کے لیے تیار کیا تھا انہیں اپنے اصل عزائم کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اقبال نے اس صورت حال کے متعلق "سیاست" کے عنوان سے مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:۔

اس کھیل میں تعیینِ مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں، میں پیادہ
بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز

فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ!(۲۶)

ایشیا اور افریقہ کے غلام ممالک کو آزادی ملی تو بیشتر ممالک میں قیادت مغرب کے گماشتوں نے سنبھالی۔ مغربی ممالک کے اداروں میں تیار ہونے والے قائدین اپنے ملک کی نسبت سابقہ آقاؤں کے وفادار تھے۔ انہوں نے غیر ملکی قرضے لیے تو پہلے انہیں ہتھیایا اور غیر ملکی بینکوں میں منتقل کیا۔ اس کے بعد ملک کو قرضوں کے تلے خوار اور قوم کو مزید کنگال کیا تھا۔ اقبال نے "ابلیس کی عرض داشت" میں ارباب سیاست کے کردار کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔

جمہور کے اِبلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک! (۲۷)

اقبال نے "افرنگ زدہ" نظم میں وضاحت کی تھی کہ نو آزاد ممالک میں تیار کردہ مغربی گماشتے اپنی قوم کے نمائندے نہ تھے بلکہ ان کی پنیری مغربی ممالک کے "گملوں" میں پروان چڑھی تھی، پھر انہیں نو آزاد ممالک میں منتقل کیا گیا۔ یہ خودی سے محروم اور خوٹے غلامی میں پختہ تر ایسی نیام کی مانند تھے جو دیکھنے میں جواہر سے بھرپور لیکن اصلاً شمشیر سے محروم تھی۔

ترا وجود سراپا تجلّیِ افرنگ
کہ تُو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکرِ خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تُو، زرنگار و بے شمشیر!(۲۸)

اقبال نے برصغیر میں رائج خانقاہی نظام کو بھی نشانہ تنقید بنایا۔ اقبال تصوف کے مخالف نہ تھے۔ تصوف میں عجمی اثرات اور ویدانتی تصورات نے بے عملی کو فروغ دیا تھا اور مسلمانوں میں شرک و بدعت کو عام کیا تھا۔ اقبال شریعت کے تابع طریقت کو رائج کرنا چاہتے تھے۔ صوفی رشد و ہدایت اور فقر و استغنیٰ کی بدولت پیری کے مقام بلند پر فائز ہوتا ہے۔ وہ رنگ، نسل اور فرقہ واریت کے بتوں کو توڑ کر مخلوق کا اللہ سے رشتہ جوڑنا چاہتا ہے۔ اسلامی تصوف میں گدی نشینی، پیرزادگی اور قبر پرستی کا کوئی جواز نہ تھا۔ مروجہ خانقاہی نظام اور نذر و نیاز کا تسلسل غریب مریدوں کا استحصال تھا۔ اس نظام کے تحت پیرزادے سیاست میں دخیل ہوئے۔ مریدوں کے نذرونیاز سے فیض یاب ہونے کے بعد غیر ملکوں سے "کمیشن" اور "تحائف" ہڑپ کرنے لگے۔ اقبال نے "باغی مرید" کے عنوان سے مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:-

نذرانہ نہیں ، سُود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن! (۲۹)

اقبال نے "پنجاب کے پیرزادوں" سے خطاب میں گدی نشینوں کی جاہ پرستی اور غلامانہ ذہنیت کی مزید وضاحت کی تھی۔

عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خِطّہ کہ جس میں
پیدا کُلَہِ فقر سے ہو طُرّۂ دستار
باقی کُلَہِ فقر سے تھا ولولۂ حق
طُرّوں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار! (۳۰)

"ضرب کلیم" ۱۸ اگست ۱۹۳۶ء کو منظر عام پر آئی لیکن اس سے قبل "ضرب کلیم" کی ایک نظم "ابلیس کے سیاسی فرزندوں کے نام" روزنامہ "انقلاب" کی ۹ اگست ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں چھپی تھی۔(۳۱) اشاعتِ نظم میں اقبال کی رضامندی شامل تھی۔ نظم میں ابلیس کی سیاسی فرزندی کا اعزاز سلطنتِ برطانیہ کو میسر آیا۔ عالمِ اسلام کے خلاف برطانوی سازشوں کو اقبال نے تشت از بام کیا تھا۔

لا کر برَہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُنّاریوں کو دَیرِ کُہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اسلام کو حِجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو(۳۲)

نظم کے پہلے شعر میں "زناریوں" قدامت پرست ہندو تھے۔ جن کا سیاسی مظہر ہندو مہاسبھا تھی اور عسکریت کی نمائندہ راشٹریا سوایم سیوک سنگھ تھی۔ یہ جماعتیں ہندوستان کی قیادت کا حق دار صرف ہندوؤں کو تصور کرتی تھیں اور مسلمانوں، ملیچھ اور اجنبی جان کر ہندوستان سے ان کا نام ونشان مٹادینا چاہتی تھیں۔ یہ صورتِ حال برطانوی راج کے لیے قابل قبول نہ تھی۔ انہوں نے برہمنوں کی صدیوں پرانی فراست سے استفادہ کیا۔ ہندوستان جیسے مختلف مذاہب اور نسلوں کو متحدہ قومیت اور لامذہب سیاست کا سبق پڑھایا۔ متحدہ قومیت کو اپنانے سے برصغیر میں ہندو اکثریت کا راج قائم ہونا تھا لیکن کانگریس کے ہندوتوا کے تصور کو سیکولرازم کے شکر آمیز غلاف میں لپیٹ دیا تھا۔ پنڈت موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی کا کانگریس کی قیادت پر قائم رہنا شعر اقبال کی تفسیر تھا۔

صوبہ سرحد میں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد برسوں جاری رکھا۔ تصور جہاد کو مسلمانوں کے ذہن سے خارج کرنے کے لیے "سرحدی گاندھی" خان عبدالغفار خاں کی "خدائی خدمت گار" کو بڑھاوا دیا گیا اور اسے ہندو کانگریس کا تابع بنانا برطانوی راج کے مقاصد پورے کرنا تھا۔ بعد میں یہی "خدائی خوار" تحریک کانگریس کا سہراول دستہ ثابت ہوئی۔

تیسرے شعر میں اقبال نے عربوں کی وحدت امت کے تصور سے برگشتگی اور مغرب سے درآمد کردہ فتنہ قومیت سے فرینفتگی نے نہ صرف عربوں کو عثمانیوں سے لڑایا بلکہ مختلف ملکوں میں تقسیم کرکے برطانیہ اور فرانس کی غلامی میں دے دیا۔ پہلی جنگ عظیم میں زیاں کاری کا آغاز شریف حسین اور اس کی ذریات نے کیا تھا، بعد میں مغرب کی غلامی پر عرب بادشاہ اور شیوخ راضی ہوئے۔ نظم کے آخری شعر میں اقبال نے افغانستان کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ ایک پیش گوئی تھا۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر سوویٹ یونین کی فوج کشی سے اشتراکی قیادت افغانستان پر قابض ہو چکی تھی اور ان کے تعاون سے سویٹ فوج افغانستان پر قبضہ جما سکی۔ بعد میں افغانیوں کے جذبہ ایمانی اور جذبہ جہاد نے نہ سرف سوویٹ افواج کو شکست دی بلکہ سوویٹ روس اور اس کے اشتراکی نظام کو بھی حرفِ غلط کی مانند مٹا دیا۔

سوویٹ روس کے خاتمے اور مشرقی یورپی ممالک سے اشتراکیت کے بعد سیموئیل پی، ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کا ذکر کیا تھا اور مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا اگلا ہدف اسلامی تہذیب اور عالم اسلام قرار دیا تھا۔ وہ یورپی تہذیب کی بالادستی کے مقابل عالم اسلام سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔

اقبال نے کئی دہائیاں قبل ۱۹۳۶ء میں "ابلیس کی مجلس شوری" میں تہذیبوں کے تصادم کا ذکر کیا تھا۔ ان میں اولین حیثیت مغرب کا سرمایہ داری نظام تھا۔ اس لادینی نظام کو ابلیس کی سرپرستی تھی۔ اقبال اشتراکیت کو مغرب کے سرمایہ داری نظام کا حریف تصور نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک اشتراکیت لادینی سیاست اور تصور قومیت کے بطن سے نکلا ہوا نظام تھا۔ اقبال نے مغربی تہذیب کی سیاہ کاریوں کے متعلق فرمایا تھا۔

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں (۳۳)

اقبال مغرب کے تصور جمہوریت کے مخالف تھے کیوں کہ اس نظام کو سرمایہ داری کی حمایت میسر تھی۔ پیسے کے زور پر سرمایہ دار ووٹ خریدتے اور اسمبلیوں میں پہنچ کر عوام کی قسمت کا فیصلہ کرتے تھے۔ دورِ قدیم میں ملوک اگر قہاری و جباری کے پیکر تھے تو جمہوری نظام میں "ٹھگوں" کی بن آئی۔ ایک محدود اقلیت ملک کے وسائل پر قابض ہو کر بندۂ مزدور کے اوقات تلخ اور عوام کا جینا حرام کر دیتی۔ دونوں نظام تمیز بندہ و آقا اور انسانوں کو غلام بنانے کی قدر مشترک رکھتے تھے۔ چناں چہ ابلیس کا اپہلا مشیر مندرجہ ذیل اشعار میں قدیم وجدید نظام کا موازنہ کرتا تھا۔

کاروبارِ شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ مہرو سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام

چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر! (۳۴)

انیسویں صدی میں کارل مارکس (۱۸۶۵ء- ۱۸۱۸ء) نے سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اشتراکیت کا نظام پیش کیا۔ مارکس اور فریڈریک اینجلز نے مل کر ۱۹۴۸ء میں کمیونسٹ منشور The Communist Manifesto لکھا تھا۔ مارکس کا شاہ کار Das Kapital تھا۔ اس نے سیاسی محرکات اور تاریخی عوامل کی بجائے جدلیاتی کش مکش کو معاشرے میں تبدیلی کی اساس قرار دیا تھا۔ اقبال نے کارل مارکس کے متعلق فرمایا تھا۔

وہ کلیم بے تجلی، وہ مسیح بے صلیب

نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

اقبال کا مارکس کو "کلیم بے تجلی" اور "مسیح بے صلیب" قرار دینا بے سبب نہ تھا۔ ایک ایسا شخص جس کا افکار نے دنیا کے بے شمار افراد کی قسمت کا دھارا بدل دیا اور مغرب کا سرمایہ دارانہ کے مقابل اشتراکی تصورات پیش کیے تھے، اس کا پیغام لادینیت پر مبنی تھا اور وہ مذہب کی افیون قرار دیتا تھا۔ انقلاب روس کے بعد دنیا بھر میں جو معاشی اور ایسی تبدیلیاں آئیں، ان کے بارے میں اقبال ابلیس کے تیسرے مشیر کی زبانی مندرجہ پیغام دیا تھا اور مارکس کے تصورات کو سرمایہ دارانہ نظام کے لیے "پردہ سوز" قرار دیا تھا۔

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز

مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب!

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد

توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب! (۳۵)

روس میں انقلاب زار روس اور ملک کی اشرافیہ کے جبر و استبداد کا جارحانہ رد عمل تھا جس میں لاکھوں افراد قتل ہوئے تھے۔ اس کی بنیاد مساواتِ انسانی اور نظامِ حکومت میں مزدوروں اور کسانوں کی شمولیت کے نعروں پر ہوئی تھی۔ بظاہر یہ نظام صدیوں سے پسے ہوئے عوام کی نجات کا پیغام تھا لیکن بباطن یہ بدترین آمریت ثابت ہوا۔

اقبال نے جدید اشتراکیت کو مزدکیت کے مترادف قرار دیا تھا لیکن یہ مغالطہ انگیز تصور تھا۔ مزدک زرتشتی مذہب کا پیروکار تھا۔ اس کا مقصد تعلیماتِ زرتشت کی تجدید و اصلاح تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ فارس کے لوگ دنیاوی آسائشوں اور دولت کی ہوس سے آزاد ہوں۔ اس نے زرتشت کو آلائش سے پاک کرنے کے لیے عورتوں سمیت تمام ذرائع معیشت اور جملہ املاک حکومت کے قبضے میں دینے کا تصور دیا تاکہ عوام مساوات کی بنیاد پر ان سے مستفید ہو سکیں۔

۴۸۸ عیسوی میں قباد فارس کا بادشاہ بنا۔ وہ نہ صرف مزدکیت پر ایمان لایا بلکہ عوام میں بھی اس مسلک کو رواج دیا۔ عوام نے مزدکیت کے اہم جزو زہد ور ہبانیت کے پاس نہ بھٹکے، اسفل ترین خواہشات کی تکمیل کو انہوں نے حاصل مذہب جانا۔ امرا کی جائدادیں لوٹ لی گئیں، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا اور خواتین کے اغوا کے مرتکب ہوئے۔ اس دورِ فتن میں قباد کو بادشاہت سے دست بردار ہونا پڑا۔ سخت جدوجہد کے بعد وہ دوبارہ تخت نشین ہوا۔ ۵۲۸ء میں مزدکیوں کا قتل عام ہوا۔ مزدک کی تصانیف کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اس طرح اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔ ۵۳۱ء میں قباد فوت ہو گیا۔

جدید اشتراکیت اور مزدکیٹ میں جو مشابہت تھی وہ ظاہری نوعیت کی تھی۔ مزدک نے زرتشت کی تعلیمات سے انحراف نہ کیا تھا جبکہ اشتراکیت نے مذہب دشمنی کی راہ اپنائی تھی۔ اقبال نے ابلیس کے پانچویں مشیر کی زبان سے یہ کہلوایا تھا:

گرچہ ہیں پرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر، وہ روح مزدک کا بروز
سر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
فتنہ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغ زار و جوئبار (۳۶)

اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار میں دوسری جنگ عظیم چھڑنے کی پیش گوئی کی تھی۔ ابلیس اپنے مشیروں سے کہہ رہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو یورپی طاقتوں کو اکسا کر دنیا بھر میں فساد عظیم برپا کر سکتا تھا۔ طبلِ جنگ بجنے کے بعد اس ہلاکت آفرین جنگ کو روکنا کسی کے بس میں نہ ہو گا۔

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا مشرق و غرب
میں نے جب گرما دیا اقوام یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو (۳۷)

اقبال کے خیال میں مغربی تہذیب اپنے تضادات اور ہوس ملک گیری و سبب خودکشی کرے گی۔ مغرب کے سرمایہ داری نظام کو اشتراکیت سے خطرہ لاحق نہ تھا بلکہ اس کا آخری مقابلہ عالم اسلام اور اسلامی نظام سے ہو گا۔

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشان روزگار آشفتہ مغز، آشفتہ مو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
فال فال اس قوم میں اب تک نظر آئے ہیں وہ
کرتے ہیں ابتک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے (۳۸)

اقبال کے نزدیک کسی تہذیب کی بقااور دیگر تہذیبوں پر غلبہ نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے الہامی تصورات اور اعلیٰ اخلاقی قدروں سے مشروط تھا۔ اقبال کو یقین کامل تھا کہ اسلامی تعلیمات مغربی تہذیب پر گلاب ہوں گی اور مغرب کی ہلاکت آخرینی کے تجربات کے بعد اسلام ہی انسانیت کا نجات دہندہ ہوگا۔ شرط یہ تھی کہ مسلمانوں میں قرآن و سنت کی پیروی کا عزم بیدار ہوگا اور معاشرے میں شریعت نافذ کریں۔ اقبال نے ابلیس کے ذریعے اسلام کے متعلق خدشات مندرجہ ذیل اشعار میں ظاہر کیے تھے۔

عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکار اشرع پیغمبر کہیں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرہ نشیں
کرتا ہے دولت کو سر آلودگی سے پاک
مغموں کو مال و دولت کا بناتا ہے اس میں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں ، اللہ کی ہے یہ زمیں (۳۹)

حوالہ جات و حواشی:

۱۔ علامہ محمد اقبال: بانگِ درا، کلیات اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت دوم، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۶۸-۱۶۶

۲۔ محمد حمزہ فاروقی (مرتب): سفر نامہ اقبال، (لاہور: بزمِ اقبال ، اشاعت چہارم، ستمبر ۲۰۱۳ء) ص ۸۲-۸۱

۳۔ علامہ محمد اقبال: بانگِ درا کلیات اقبال اردو، ص ۲۲۲-۲۱۰

۴۔ ایضاً، ص ۲۹۴

۵۔ ایضاً، ص ۲۸۴

۶۔ ایضاً، ص ۲۹۲

۷۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۸۔ ایضاً، ص ۲۹۵-۲۹۴

۹۔ ایضاً، ص ۲۹۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۰۲-۲۹۸

۱۱۔ علامہ اقبال: پیامِ مشرق، کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت دوم، ۱۹۹۴ء)، ص ۲۰۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۲۵

۱۳۔ علامہ اقبال: ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۰۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۷۱-۵۷۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۲۸

۱۶۔ علامہ اقبال: بال جبریل، ص ۴۰۹

۱۷۔ علامہ اقبال: زبورِ عجم، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۴۱۶-۴۱۵

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۹۴

۱۹۔ علامہ اقبال: بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۳۹۶

۲۰۔ محمد حمزہ فاروقی: مہراوران کا عہد، (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر جامعہ کراچی، اگست ۲۰۰۸ء)، ص ۲۸۰-۲۷۹

۲۱۔ A.R Tariq :Speeches and statements of Iqbal completed, Lahore, April 1973 P.14

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴

۲۳۔ علامہ اقبال: بال جبریل، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۰۱

۲۴۔ ایضاً، ص ۴۲۶

۲۵۔ ایضاً، ص ص ۲۴۸-۲۴۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۴۴۹

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۹۲

۲۸۔ علامہ اقبال: ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۵۴۶

۲۹۔ علامہ اقبال: بال جبریل، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۹۶

۳۰۔ ایضاً، ص ۴۸۹

۳۱۔ مشمولہ: "انقلاب"، جلد ۱۱، نمبر ۱۱۰، یک شنبہ ۹ اگست ۱۹۳۶ء

۳۲۔ علامہ اقبال: ضرب کلیم، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۶۵۸

۳۳۔ علامہ اقبال: ارمغان حجاز، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۷۰۲-۷۰۱

۳۴۔ ایضاً، ص ۷۰۴

۳۵۔ ایضاً، ص ۷۰۵

۳۶۔ ایضاً، ص ۷۰۷

۳۷۔ ایضاً، ص۷۰۸

۳۸۔ ایضاً، ص۷۰۹

۳۹۔ ایضاً، ص۷۱۰

ماخذات:

اقبال ،علامہ محمد: بانگِ درا، کلیات اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت دوم، ۱۹۹۴ء

اقبال ،علامہ محمد: پیامِ مشرق، کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت دوم، ۱۹۹۴ء

فاروقی ، محمد حمزہ(مرتب): سفر نامہ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال ، اشاعت چہارم، ستمبر ۲۰۱۳ء

فاروقی ، محمد حمزہ: مہر اور ان کا عہد ، کراچی : پاکستان اسٹڈی سنٹر جامعہ کراچی، اگست ۲۰۰۸ء

"انقلاب"، جلد ۱۱، نمبر ۱۱۰، یک شنبہ ۹، اگست ۱۹۳۶ء

A.R Tariq :Speeches and statements of Iqbal completed, Lahore, April 1973